خصوصی تبصرہ

اُردو نثر میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف: پروفیسر ڈاکٹر انور محمود خالد۔ تبصرہ: حکیم شریف احسن۔

"اُردو نثر میں سیرتِ رسولؐ" اصلاً وہ تحقیقی مقالہ ہے جو پروفیسر انور محمود خالد نے پی ایچ ڈی کے لیے لکھا اور اب نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

برصغیر میں سیرت نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ دوسری صدی کے عظیم سیرت نگار ابو معشر سندھی کا تعلق خطۂ ارضی کے اسی علاقہ سے تھا۔ اُس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعد جیسا سیرت نگار اس کے خوشہ چینوں میں سے ہے اور موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق کے ساتھ وہ اکثر اس کا حوالہ دیتا ہے۔ ابو معشر کا انتقال بغداد میں ہوا تو خلیفہ ہارون رشید نے اس کے جلوس جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھائی۔ اُس کے بعد بھی یہاں عربی اور فارسی میں سیرت کی کتابیں لکھی جاتی رہیں، تاہم برصغیر میں سیرت پر بیشتر کام اُردو میں ہوا ہے۔ اور محفل السنہ میں نووارد ہونے کے باوجود اس میدان میں یہ زبان اپنی کئی بڑی بہنوں سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ گذشتہ دو ڈھائی سو برس میں اس میں سیرت پر اس کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ ان میں سے بعض اتنی معیاری ہیں کہ ان کے ہم پلہ دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ملتی۔ ڈاکٹر خالد کی کتاب اُردو لٹریچر کی اسی عظیم شاخ کی تاریخ اور اس کے علمی اور فنی جائزے پر مشتمل ہے۔

خالد صاحب نے اُردو سیرت نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے ۔۔۔ پہلا دور ابتداء تا ۱۸۵۷ء روایتی سیرت نگاری کا دور ہے ۔۔۔ دوسرا دور ۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۰ء یہ دور قدیم اور جدید سیرت نگاری کا سنگم ہے۔ اس میں جدید سیرت نگاری کا آغاز ہوا۔

اس کا سنگِ بنیاد سرسید احمد خاں نے رکھا اور ان کی کتاب خطباتِ احمدیہ نے جدید سیرت نگاری کا رُخ متعین کیا اور اس کے خطوط واضح کیے۔ تیسرا دور ۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء۔ یہ عظیم سیرت نگاروں کا دور ہے۔ اور بالفاظ ڈاکٹر خالد سیرت نگاری کا عہدِ زریں ہے۔ علامہ شبلیؒ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور سید سلیمان ندوی کا تعلق اسی دور سے ہے۔ چوتھا دور ۱۹۴۸ء تا ۱۹۸۱ء۔ اس کی خصوصیت کتبِ سیرت کا تنوع اور تعداد کی کثرت ہے۔ ان چاروں ادوار کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد مصنف نے ان کی تمام اہم کتابوں پر ناقدانہ تبصرے کیے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں جو چیز سب سے پہلے قاری کو متاثر کرتی ہے وہ مصنف کے مطالعہ کی حیران کن وسعت ہے۔ کتاب کی سرسری ورق گردانی ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُردو میں سیرت پر شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو ان کی نظر سے نہ گذری ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موضوع سے متعلق سطر سطر ان کے سامنے ہے۔ جن کتب و جرائد کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اشاریہ میں ان کی فہرست چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر ان کی نگاہ اُردو تک محدود نہیں، مشرق و مغرب سے انہوں نے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ مرج البحرین کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کے مضامین کی وسعت ہے جس کا اندازہ کتاب کے نام یا ابواب کے عنوانات سے نہیں ہو سکتا۔ مصنف نے اُردو نثر میں سیرت پر کچھ لکھنے سے پہلے تیرہ صدیوں کے سیرتی سرمایہ کا جائزہ پیش کیا ہے اور سیرت اور اس سے متعلقہ علوم، تفسیر، حدیث، تاریخ، اسماء الرجال وغیرہ کا تعارف اور ان کی بیشتر اہم کتابوں پر ناقدانہ تبصرہ سپردِ قلم کیا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ جب قاری اُردو سیرت نگاری کا مطالعہ کرتا ہے تو اُسے وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ بصورتِ دیگر محروم رہ جاتا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مغربی سیرت نگاروں کے مبلغ علم اور ان کے اندازِ سیرت نگاری پر بحث کی ہے اور ایک مستقل فصل میں بارھویں صدی کے ہلدی برٹ سے لے کر انیسویں صدی کے کارلائل تک مغربی سیرت نگاری کی پوری تاریخ سمو دی ہے۔

وسعت کے ساتھ عمق بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن اس کتاب میں یہ وصف موجود ہے۔ اس کا کچھ اندازہ اس وقتِ نظر سے ہوتا ہے جس کا مظاہرہ مصنّف نے بیسیوں کتابوں کے بے لاگ جائزوں اور تبصروں میں کیا ہے۔ انہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تبصرہ نگار کتابوں کو چھو کر ہی نہیں رہ گئے۔ ان کے اندر اتر کر ان کی گہرائی اور پہنائی کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنّف نے ان اسباب و علل کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کی ہے جو سیرت نگاری کے اسالیب اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کے انتخاب کے پسِ پردہ کارفرما رہے ہیں۔ مواد کی تلاش و جستجو اور جمع و ترتیب میں بھی انہوں نے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ اور علم کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو کر موتیوں کا جو انبار انہوں نے جمع کیا، اُسے یونہی ڈھیر کی صورت میں قاری کے سامنے نہیں رکھ دیا ہے، اُسے جانچا ہے، پرکھا ہے، اُس کی قدر و قیمت کا تعین کیا ہے، فنِ مرصع کاری کی سان پر چڑھایا ہے۔ اس کے بعد اس سے وہ سلکِ مروارید تیار کی ہے — ”جو اُردو نثر میں سیرتِ رسولؐ“ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اپنے پیشروؤں سے بھی انہوں نے اکتسابِ فیض کیا ہے، لیکن کھلی آنکھوں اور بیدار مغز کے ساتھ، جہاں ضروری سمجھا ہے سید سلیمان ندویؒ، شیخ محمد اکرام، ڑمی منگمر جیسے ذی علم حضرات کی آراء سے بھی اختلاف میں تامل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح مولانا حالی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے بعض سہووں کی نشان دہی بھی انہوں نے کی ہے۔

سہو انسانی خاصہ ہے، اس کے ثبوت اس کتاب میں بھی موجود ہیں، مثلاً صفحہ ۵۲۰ پر تیسیر الوصول کے مصنّف کا نام ابن کثیر لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب ابن الدیبعؒ ایشیانی (م ۹۴۴ھ) کی تصنیف ہے۔ ص ۵۱۴ پر سیوطی کی ایک کتاب کا نام جامع الجوامع مرقوم ہے، صحیح جمع الجوامع ہے۔ جامع الجوامع نام کی کتابیں ہیں لیکن سیوطی ان کے مصنّف نہیں۔ ص ۵۷۲ پر تحریر ہے: ”شرح مسلم (نووی و بحر العلوم)“ بحر العلوم ملا عبد العلی لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ یا ۱۲۳۵ھ) کا لقب ہے۔ جو انہیں نواب محمد علی رئیس کرناٹک نے دیا تھا۔ ان کی صحیح مُسلم کی کوئی شرح نہیں، البتہ اصول فقہ کی

ایک کتاب مسلم الثبوت کی شرح انہوں نے لکھی ہے جس کا نام فواتح الرحموت ہے۔
ص ۵۹۷ پر آذری بمعنی بت گری استعمال ہوا ہے، جو درست نہیں۔ آذر اور آزر کی
املا میں اکثر حضرات کو التباس ہوتا ہے۔ آذر بمعنی آگ ہے اور آزر حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے بت تراش اور بت گر والد کا نام ہے۔ پہلے کی مثال غالب کا درج
ذیل شعر ہے۔

ہے تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

اور دوسرے کی مثال اقبال کا یہ شعر:

بت شکن اٹھ گئے باقی جو بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں

عظیم سے عظیم تحقیقی کاوش میں بھی اختلاف کی گنجائش کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے
یہ کتاب بھی اس سے خالی نہیں۔ مثلاً سید سلیمان ندوی نے سرسید کو کہیں نیم عالم لکھا
ہے۔ ڈاکٹر خالد کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ (ص ۳۸۰)۔ معلوم ہوتا ہے بنائے
اختلاف لفظ "عالم" کا مفہوم ہے۔ سید صاحب کے نزدیک اس کی حدود کچھ اور ہیں
اور خالد صاحب کی نظر میں کچھ اور۔ سرسید کی علمی حیثیت کا اگر تعین کرنا ہی ہو تو اس کے
لیے کہیں اور رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا بہترین پیمانہ ان کی تفسیر قرآن ہے
جس میں خدا و جبریل و مصطفیٰ کو حیرت میں ڈال دینے والی تاویلات کے انبار لگے ہوئے
ہیں۔

کتاب میں ایک اور چیز، جس سے راقم کی طرح اور حضرات کو بھی اختلاف ہو سکتا ہے
کتب سیرت کی فرقہ وارانہ صنف بندی ہے (ص ۶۶۱ و بعد)۔ اس میں سب سے پہلے
"اہلِ حدیث سیرت نگار" کا عنوان ہے اور اس کے تحت سرِفہرست رحمۃ للعالمین
(قاضی محمد سلیمان منصور پوری) اور خطبات مدراس (سید سلیمان ندوی) کے نام ہیں

سید صاحب کو اہلِ حدیث کہنا تو واقعہ کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ اس کی تغلیط خود ان کی اس تحریر سے ہو جاتی ہے جو "رجوع اور اعتراف" کے عنوان سے معارف جنوری ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ وہ کسی خاص "خانے" کے آدمی نہ تھے۔ ان کا مسلک تحقیق تھا۔ اور بقول شاہ معین الدین احمد ندوی (جو ان کے شاگرد بھی تھے اور جانشین بھی اور جنہیں ۲۴ سال (۱۹۲۲ء – ۱۹۴۶ء) تک ان کی صحبت کا شرف حاصل رہا) "سید صاحب عملاً ہمیشہ حنفی رہے۔ آمین بالجہر اور رفع یدین اور اس قسم کے اہل حدیث کے امتیازی نشانات پر کبھی عمل نہیں کیا۔ فقہیات میں عموماً ان کا عمل فقہ حنفی پر تھا لیکن مقلد جامد نہ تھے۔" (شاہ معین الدین احمد۔ حیات سلیمان ص ۶۷۶ طبع اول (پاکستانی) ۱۹۸۶ء)۔ قاضی صاحب مسلکاً اہلِ حدیث تھے لیکن یہ ان کی شناخت نہ تھی۔ ان کے نزدیک وہ سب علمائے کرام اہل حدیث ہیں "جو مسائل شرعیہ میں سنت نبوی کو حجت سمجھتے ہیں اور حدیث رسول سے استشہاد کرتے ہیں" (خطبات سلیمانی۔ قاضی محمد سلیمان ص ۲۵۶۔ سانگلہ ہل) ایسے حضرات کی ان کتب سیرت کو فرقوں کے خانوں میں دھکیلنا، جن میں فرقہ واریت کا شائبہ تک نہیں، عالمانہ زبردستی ہے۔ تاہم شبلی اس قسم کی زد سے بچ نکلے۔ حالانکہ تمام عمر وہ نعمانی بھی رہے اور سیرت النعمان بھی انہوں نے لکھی۔ شبلی کی طرح ان تمام سیرت نگاروں کو بھی ان خانوں سے باہر رکھنا چاہیے تھا جن کا ذہن اور قلم فرقہ واریت کا اسیر نہیں ہے۔ یہ انصاف نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت کو فرقہ وارانہ سطح پر کھینچ لانے والوں کو ان حضرات کے پہلو بہ پہلو جگہ دی جائے جنہوں نے سیرت کو اسلام کے عالمگیر پیغام کے مظہرِ اتم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ دونوں رفع یدین کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ ایک اعلیٰ پایہ کی تحقیقی کتاب کے روئے زیبا پر موجودہ صورت میں یہ بحث ایک داغ ہے، جو آئندہ اشاعت میں اگر دھل جائے تو اچھا ہے۔

بحیثیت مجموعی زیرِ تبصرہ کتاب تحقیق کا ایک اچھا نمونہ ہے اردو ادب میں گراں بہا اضافہ ہے۔ اس پایہ کی کتابیں کسی بھی زبان کے لیے سرمایہ افتخار ہوتی ہیں۔ اور جریدۂ عالم پہ مصنف کا نام ثبت کرانے کا باعث بنتی ہیں۔ سیرت نگاری کی اس قدر جامع، محققانہ اور مستند تاریخ لکھ کر مصنف نے ایک عظیم علمی، ادبی اور دینی خدمت انجام دی ہے۔

اُمید ہے ان تمام حلقوں میں کتاب کو وسیع پذیرائی حاصل ہو گی ۔ یہ بھی توقع ہے کہ اس کا مطالعہ عام تعلیم یافتہ آدمی کے لیے مطالعۂ سیرت کی تشویق کا باعث بنے گا ۔ اقبال اکیڈمی لاہور نے کتاب کو بڑے اہتمام سے خوبصورت ٹائپ میں چھاپا ہے ۔ ضخامت مع اشاریہ ۴۵۲ صفحات ۔ مجلد مع دیدہ زیب گردپوش ۱۷۵/- روپیے ۔

(بقیہ شرلی قوتوں کی کامیابی کا طریقۂ کار)

۵۔ شکست خوردگی سے ترکی قوم کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا ، انحراف پذیر تھا ۔ ان غیر معمولی حالات کو مصطفٰے کمال نے کمال چابک دستی سے استعمال کیا اور پوری قوم کو اوّلاً خلافت کا مخالف اور پھر بعد میں اسلام کا بھی مخالف بنا دیا ۔
جس قوم نے چار صدیوں تک اسلام کا جھنڈا یورپ کی سرزمین میں بلند رکھا اور ہر قسم کی قربانیاں دیں ، اس کو اسلام سے پوری طرح بیگانہ بنا دیا گیا ۔ اسلامی احکام و شعائر پر اس طرح پابندیاں لگا دی گئیں گویا ترکی کوئی مخالفِ اسلام ریاست ہو ۔ بعد میں اس شدت میں کچھ کمی آئی مگر آج بھی ترکیہ ایک کٹّر لادین ریاست ہے ۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں ، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں ۔ (ادارہ)